اسلوب کی ترجمان ہے اور وہ خواجہ احمد فاروقی کے اس دعوے کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اردو میں سلیس، سادہ، تکلفات سے معرا اور دلکش زبان کی داغ بیل نہ سرسید نے ڈالی تھی اور نہ فورٹ ولیم کالج کے انگریز مہذب اردو نثر نگاروں نے بلکہ اس کی ابتداء دینی مصنفین کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس پر یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے فکری قیادت کے ساتھ ساتھ زبان و اسلوب ایجاد کرنے میں بھی سرخیلی کی تھی۔ فکر و تفسیر کے لحاظ سے بھی سید شہید کی تفسیر ایک ممتاز و منفرد مقام کی حامل ہے اور اسلوب و زبان کے اعتبار سے۔ اس نے اپنے معاصرین اور اخلاف پر دونوں اعتبار سے اثر ڈالا تھا جس کی شہادت شاہ اسمٰعیل کی تقویۃ الایمان اور مولانا تھانوی، مولانا آزاد، مولانا مودودی وغیرہ کی تفسیریں دیتی ہیں۔

تعلیقات وحواشی

(۱) ملاحظہ ہو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، لکھنؤ ۱۹..، جلد ۱ صفحہ ...، مولانا غلام رسول مہر، سید احمد شہید، لاہور ۱۹۵۵ء، جلد ۱ صفحہ ...، ایضاً، سید احمد شہید پر مضمون، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب لاہور (پاکستان)، طبع ثانی ۱۹۹۱ء، جلد دوم صفحہ ۱۳۲۔

مولانا مہر کے مضمون کے مطابق سید صاحب نے پانچ رسالے تصنیف فرمائے: (۱) تنبیہ الغافلین، مطبع محمدی لاہور اور دہلی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء (۲) رسالۂ نماز (۳) رسالۂ رد نکاح بیوگان، (۴) صراط مستقیم، کلکتہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء اور (۵) تنبیہات احمدیہ فی الطریق المحمدیہ، آگرہ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء اور کلکتہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء۔ ان میں سے تیسرا رسالہ ابھی تک موصوف کے مطابق شائع نہیں ہوا۔ باقی سب شائع ہو چکے ہیں۔ اول الذکر چار رسالوں کے بارے میں مولانا مہر نے تصریح کی ہے کہ وہ سب فارسی میں ہیں اور ان کے اردو

تراجم دو دو بار چھپ چکے ہیں جب کہ آخر الذکر کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

مولانا عبدالحلیم چشتی کے مطابق تنبیہ الغافلین فارسی میں سید احمد شہید کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ شاہ رفیع الدین دہلوی کی تصنیف ہے جو موصوف نے سید شہید کی فرمائش پر عامہ مسلمین کی اصلاح معاشرت اور تصحیح عقائد کی غرض سے آسان فارسی میں لکھی تھی۔ اس کتاب کے تین باب ہیں۔ ملاحظہ ہو چشتی موصوف کا مضمون "سید احمد شہید کی تحریک کا اثر اردو ادب پر" ماہنامہ الرحیم حیدرآباد (سندھ)، جلد ۳، شمارہ ۹، فروری ۱۹۶۶ء، صفحہ ۶۵۱، حاشیہ نمبر ۹۔ مضمون نگار نے اس ضمن میں جو دلائل دیئے ہیں ان کے لیے ملاحظہ ہو ماہنامہ مذکورہ کے صفحہ ۶۵۳-۶۵۵۔ اس کے کئی اردو ترجمے کئے گئے ان میں سے اولیں ترجمہ منشی بیگی نور حسن جہاں لاہوری کا تھا مگر اس پر مولوی سید عبداللہ بن بہادر علی (متوفی ۱۲۶۵ھ) نے خلاف محاورہ ہونے کا الزام عائد کیا اور خود دوسرا ترجمہ ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء میں کیا جو مطبع محمدی کلکتہ ۱۲۶۲ھ میں شائع ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں نیا ترجمہ تحفۃ الواعظین کے نام سے بمبئی سے لیتھو میں شائع ہوا۔ اس کے بعد سید محمد محمد طیب اور امین الدین اور محمد تقی کے اضافہ اور نظر ثانی کے بعد ۱۸۸۰ء اور پھر ۱۸۸۳ء میں کانپور سے چھپا۔

(۲) مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، "تفسیر سورۂ فاتحہ از حضرت سید احمد شہید" الرحیم حیدرآباد (سندھ)، جلد ۳، نمبر ۴، ستمبر ۱۹۶۵ء، صفحہ ۲۶۳-۲۶۹ اور "سید احمد شہید کی تحریک کا اثر اردو ادب پر"، الرحیم، حیدرآباد (سندھ)، جلد ۳، نمبر ۹، فروری ۱۹۶۶ء، صفحہ ۵۸-۴۳۶، جلد ۳، نمبر ۱۰، مارچ ۱۹۶۶ء، صفحہ ۵۰۲-۵۰۷، جلد ۳، نمبر ۱۱، اپریل ۱۹۶۶ء، صفحہ ۸۱۲-۸۱۰۔

(۳) ملاحظہ ہو الرحیم، جلد ۳، نمبر ۴، ستمبر ۱۹۶۵ء، صفحہ ۲۶۳ نیز بعد کے شمارے۔

(۴) ملاحظہ ہو مذکورہ بالا کتاب کے جدید اڈیشن اور سید احمد شہید پر دوسری اردو انگریزی کتابیں اور مضامین۔

(۵) مثلاً سورۂ اخلاص کا اردو ترجمہ ان کے رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں۔ ملاحظہ ہو محمد عبدالحلیم چشتی کا مذکورہ بالا مضمون، الرحیم جلد نمبر ۳۔ نمبر ۱۱، صفحہ ۹۹۔

(۶) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، شرف الدین، لکھنؤ، ...

بمبئی ۱۹۸۴ء ، صفحہ ۱۸ ۔

(۷) ایضاً صفحہ ۸۰ وغیرہ ۔

(۸) ان مباحث کے لیے ڈاکٹر صالحہ کی مذکورہ بالا کتاب کے ابتدائی ابواب ملاحظہ ہوں ۔

(۹) مولانا محمد عبدالحلیم چشتی کا مضمون بر سورۂ فاتحہ ، الرحیم ، جلد ۳ ، نمبر ۴ ، صفحہ ۲۶۵ ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ، مذکورہ بالا ، صفحہ ۳۸ غلام رسول مہر ، مذکورہ بالا ، صفحہ ۱۶۹ ۔

(۱۰) ایضاً الرحیم ، جلد ۳ ، نمبر ۴ ، صفحہ ۲۷۶ ۔ اردو پر سید احمد شہید اور ان کے رفقاء و خلفاء کے اثر کے اسی حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو خواجہ احمد فاروقی اردو میں وہابی ادب ، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی ، دہلی ۱۹۶۹ء صفحہ ۳۷ وغیرہ ۔

(۱۱) تفسیر سورہ فاتحہ کے متن کے لیے ملاحظہ کیجیے : مولانا محمد عبدالحلیم چشتی کا متعلقہ مضمون ، الرحیم ، جلد نمبر ۳ ، نمبر ۴ ، صفحہ ۲۶۶-۲۷۰ ۔

(۱۲) رسالہ حقیقت الصلوٰۃ کے متن کے لیے ملاحظہ ہو : مولانا محمد عبدالحلیم چشتی کا متعلقہ مضمون ، الرحیم ، جلد نمبر ۳ ، نمبر ۴ ، صفحہ ۲۰-۱۷ یا جلد نمبر ۳ ، نمبر ۱۱ ، صفحہ ۵۸-۹۸

(۱۳) شاہ عبدالقادر دہلوی ، القرآن العظیم ترجمہ و تفسیر موضح القرآن ، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی صفحہ ۲ ۔ شاہ صاحب کے تمام حوالے اسی ماخذ سے ہیں ۔

(۱۴) سر سید احمد خان ، تفسیر القرآن ، گلزار محمدی پریس لاہور [illegible] ، صفحہ ۱۳-۱۴ کے تمام حوالوں کے لیے ۔

(۱۵) ڈپٹی نذیر احمد ، غرائب القرآن (قرآن مجید مترجم) ، مطبع قاسمی دہلی ۱۳۲۲ھ ، صفحہ ۳-۴ کے تمام حوالوں کے لیے ۔

(۱۶) مولانا اشرف علی تھانوی ، مختصر بیان القرآن ، تاج کمپنی لاہور ، صفحہ ۳ کے تمام حوالے اسی ماخذ سے ہیں ۔

(۱۷) ان مفسرین کے لیے ملاحظہ کیجیے : ترجمان القرآن ، ساہتیہ اکاڈمی نئی دہلی ۱۹۶۴ء جلد اول صفحہ ۲-۱۳ ؛ تفسیر ماجدی ، تاج کمپنی لاہور ، اول صفحہ ۳-۵ ؛ تفہیم القرآن ، دہلی ۱۹۸۴ء

اول صفحہ ۳۳-۴۵ ؛ تدبر قرآن ، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء ، اول صفحہ ۹۱-۵۵ ۔

(۱۸) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین ، مذکورہ بالا ، صفحہ ۹۶-۸۵

(۱۹) ایضاً ، صفحہ ۸۸ (۲۰) ایضاً صفحہ ۹۶-۹۵ (۲۱) ایضاً صفحہ ۲۱۱

(۲۲) مذکورہ بالا ماخذ ۔ مولانا آزاد ، صفحہ ، مولانا مودودی : صفحہ ۴۳

(۲۳) قرآن حکیم کے اردو تراجم صفحہ ۲۲۶

(۲۴) ایضاً صفحہ ۲۰۶ ، صفحہ ۲۱۳ وغیرہ ۔

(۲۵) ایضاً صفحہ ۸۹ ، صفحہ ۹۱ ، صفحہ ۲۰۳ ، صفحہ ۲۰۷ ، صفحہ ۲۱۵ ، صفحہ ۲۲۴-۲۲۵ ، صفحہ ۲۵۶ ، صفحہ ۲۹۱ ، صفحہ ۳۲۸ ، صفحہ ۳۳۰ ، صفحہ ۳۳۲ وغیرہ ۔

(۲۶) ایضاً صفحہ ۲۰۳ (۲۷) ایضاً صفحہ ۹۱

تصحیح

(الف) اکتوبر ۸۹ء ، نومبر ۸۹ء ، دسمبر ۸۹ء کے مشترک شمارے میں "جامعہ کے لیل و نہار" کالم میں برادر ریاض احمد فلاحی و برادر انیس احمد فلاحی کے بارے میں یہ بات غلط شائع ہو گئی کہ انھوں نے قرآن میں تخصص کیا ہے ۔ یہ تخصص کر رہے تھے کہ دوران ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے ۔

(ب) اگست ۸۹ء – دسمبر ۸۹ء کے مشترک شمارے میں ایک مضمون "غزل شاعری کے مختلف مراحل" شائع ہوا تھا ۔ مضمون کے آخر میں دور جدید کے دیگر شعراء کے ساتھ محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی کے نام بھی غلطی سے چھپ گئے تھے ۔ مضمون نگار نے اس طرف توجہ دلائی ۔ ابو سفیان صاحب اصلاحی کا بھی ایک خط آیا جس میں اس غلطی کی نشاندہی کی گئی ۔ ابو سفیان صاحب اصلاحی کے شکریہ کے ساتھ ہم مضمون نگار سے معذرت خواہ ہیں کہ مضمون صاف نہ ہونے کی وجہ سے غلطی ہو گئی اور افسوس ہے کہ پروف ریڈر کی نظر بھی نہیں پڑ سکی ۔

تیسری قسط

حکیم عبدالباری ندوی
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

عہدِ عباسی میں طب کے عربی تراجم اور اسکے مترجمین

عباس بن سعید جوہری | اس کا شمار آلات رصد کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ یہ دیگر علوم کے مقابلہ میں علم ہندسہ سے زیادہ واقف تھا۔[۴۲] مامون نے اس کو حکم دیا تھا کہ سند بن علی خالد بن عبدالملک المرو الروذی اور یحییٰ بن ابی منصور کے ساتھ مل کر بغداد کی مشہور رصدگاہ شماسیہ میں حرکات کواکب کا مشاہدہ کرے۔ اس کی تقویم کی آج تک شہرت ہے۔ اسلام میں آلات رصد کا استعمال سب سے پہلے انہی حضرات نے کیا تھا۔[۴۳]

یہ عربی کے علاوہ یونانی، سریانی اور فارسی زبان بھی جانتا تھا۔ شروع میں ابو حاتم بلخی کے لئے ترجمہ کرتا تھا بعد میں بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ سے وابستہ ہو گیا۔ اس نے شاناق کی کتاب "السموم" کا ترجمہ عربی میں کیا جس کو مامون کی خدمت میں پیش کیا۔ پہلے اس کو سنسکرت سے فارسی میں منکہ نے خالد برمکی کے ایما پر ترجمہ کیا جس کو ابو حاتم بلخی نے نقل کیا[۴۴] تھا۔

ثابت بن قرہ الحرانی | اس کی تاریخ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض نے ۲۲۱ھ / ۸۳۶ء لکھا ہے۔ بعض نے ۲۱۱ھ / ۸۲۶ء تحریر کیا ہے اور بعض ۲۱۹ھ / ۸۳۴ء کو اس کی تاریخ پیدائش بتاتے ہیں۔ اس کی وفات تقریباً ۲۸۸ھ / ۹۰۰ء میں ہوئی۔ یہ دراصل اصلاً حرانی اور بلحاظ عقیدہ صابی تھا۔ یہ حران میں ابتداءً صرافی کا کام کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد بغداد چلا گیا اور وہاں محمد بن موسیٰ بن شاکر کے یہاں قیام کیا۔ یہاں اس کی صلاحیتوں میں نکھار آیا اور اس کا شمار بغداد کے معروف اور ممتاز علماء و فضلاء میں ہونے لگا اور جب الموفق باللہ نے ابو العباس المعتضد باللہ کو قید کر دیا تو اسمٰعیل بن بلبل نے ثابت بن قرہ کی خدمات حاصل کیں اور معتضد باللہ نے برسراقتدار آتے ہی ثابت بن قرہ کو اس کی خدمات کا بہترین صلہ عطا کیا۔

معتضد کے دربار میں ثابت کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔

ثابت فلسفہ، منطق، حساب، ہندسہ، نجوم، ہیئت اور طب وغیرہ میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے مختلف موضوعات پر کم و بیش ۵۹ کتابیں لکھی تھیں۔ یہ مترجم کی حیثیت سے بھی کافی مشہور ہے اور عربی اور سریانی زبانوں پر کافی عبور رکھتا تھا اس نے ترجمہ کے علاوہ مترجمین کے ترجموں کی اصلاح بھی کی ہے۔ طبی کتابوں کے تراجم یہ ہیں:-

۱۔ کتاب الکیموس از جالینوس
۲۔ کتاب فی اختبار الطبیب از جالینوس
۳۔ ما یعتقدہ رایا از جالینوس

عیسیٰ بن سعید نصرانی | یہ ثابت بن قرہ کا شاگرد تھا۔ یہ مختلف علوم کا ماہر اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کرنے پر بہت زیادہ قادر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ثابت اسکو سب سے مقدم گردانتا اور بے انتہا شفقت کرتا تھا۔ عیسیٰ ثابت بن قرہ کی صحبت میں سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ وہ سوالات کو ترتیب دیتا تھا اور ثابت کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ چنانچہ ثابت نے "جوابات ثابت لمسائل عیسیٰ بن اسید" کے نام ایک کتاب تصنیف کی جس کو عیسیٰ نے عربی زبان میں منتقل کیا۔[۴۵] اس کے علاوہ ثابت نے کندی کے رد میں شریانوں کی دو حرکتوں کے درمیان سکون کے باب میں ایک کتاب سریانی میں لکھی تھی اس کو بھی عیسیٰ بن سعید نے عربی میں منتقل کیا ثابت نے عربی کی اصلاح کی۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ حبیش الاعسم تھا۔[۴۶]

موسیٰ بن خالد | یہ "ترجمان" کی حیثیت سے زیادہ معروف تھا اس کا شمار طبی کتابوں کے مترجمین میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کا درجہ زیادہ بلند نہیں تھا۔ بعض لوگوں نے اس کا موازنہ حنین بن اسحٰق سے کیا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ کا خیال ہے کہ وہ نہ تو حنین کے مرتبہ کے مساوی تھا، اور نہ ہی اس سے قریب، گویا کہ وہ اس سے کہیں فروتر تھا۔ ابن

بی اصیبعہ نے جالینوس کی سو کتابوں میں سے اکثر تراجم کو اس کی جانب منسوب کیا ہے[87]
ابن ندیم لکھتا ہے کہ موسیٰ اور اس کا بھائی یوسف دونوں داؤد بن عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی خدمت میں رہتے تھے اور فارسی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے[88] موسیٰ نے جوامع الاسکندرانیین کے سریانی ترجمہ (از سرجیوس راسی) کی تعریب کی تھی[89]

عیسیٰ بن علی یہ حنین کا شاگرد تھا اور اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ اس نے جالینوس کی کتاب السموم، کتاب منافع الحیوان اور کتاب فی اوقات الامراض کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

ابوعثمان سعید بن یعقوب الدمشقی یہ بغداد کا مشہور طبیب اور مترجم تھا۔ اس نے علوم حکمیہ کی بہت سی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ اس کا المقتدر باللہ (۲۹۵-۳۲۰ھ/ ۹۰۸-۹۳۲ء) کے وزیر علی بن عیسیٰ سے گہرا تعلق تھا۔ اس نے اس کے ایماء پر بہت سی کتابوں کے ترجمے کئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ نے ۳۰۲ھ/ ۹۱۴ء میں ایک بیمارستان تعمیر کرایا اور اس کو اس کا نگران مقرر کیا۔ اس کے علاوہ بغداد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے شفاخانوں کا بھی افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔ اس کے تراجم حسب ذیل ہیں:-

۱- ترجمہ کتاب البول لمغنس حمصی[90] یہ مخطوطہ ایا صوفیا لائبریری میں موجود ہے اس کا نمبر ۳۵۶۳ ہے اور اوراق ۷۸ ب تا ۱۰۰ میں ہیں[91]

۲- ترجمہ تفسیر یحیٰی نحوی لکتاب جالینوس فی النبض الصغیر الی طوثرون یعنی یحیٰی النحوی نے جالینوس کی کتاب النبض الصغیر الی طوثرون پر جو تفسیر لکھی اس کا ترجمہ کیا۔ اس کا نسخہ اس نمبر We 1156 کے تحت برلن لائبریری میں موجود ہے[92]

۳- ترجمہ کتاب تشریح العصب یہ کتاب دراصل جالینوس کی معروف کتاب "المقالات الخمس فی التشریح" کا ایک حصہ ہے اور اس حصہ کا ترجمہ ابوعثمان کے نام منسوب ہے اور برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ ان

پانچوں مقالات کا ترجمہ حنین بن اسحٰق کی طرف بھی منسوب ہے[93]

اصطفن بن بسیل یہ حنین بن اسحٰق کا شاگرد اور عہد مامون کے نامور مترجمین سے تھا۔ نقل و ترجمہ میں یہ حنین کا ہم پلہ تھا لیکن حنین کی عبارت زیادہ فصیح اور مزین ہوتی تھی۔ اس نے طب یونانی کی بیشتر کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا ہے۔ ابن القفطی لکھتا ہے کہ "جب حنین بغداد واپس آیا تو المتوکل نے اسے کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا اور ساتھ چند مشہور علماء (اصطفن بن بسیل، موسیٰ بن خالد اور یحیٰی بن ہارون وغیرہ) کو ترجمہ وکتابت کے لئے مقرر کر دیا۔ یہ علماء جب کام کر کے لاتے تو حنین ناقدانہ نظر سے دیکھتا تھا۔ الغرض یہ کہ وہ ترجمہ کرنے میں اپنی مثال آپ تھا[94] اصطفن کے طبی تراجم کی تفصیل یہ ہے۔

۱- ترجمہ کتاب الحشائش لدیسقوریدس عین زربی یہ کتاب مشہد کی لائبریری کے نسخہ میں اسی نام سے موجود ہے اس کے علاوہ یہ "الادویۃ المفردہ"، "خواص الاشجار" "کتاب دیسقوریدس فی مواد العلاج" اور "مفردات دیسقوریدس" کے ناموں سے بھی موسوم کی جاتی ہے۔ اصطفن پہلا شخص ہے جس نے اس کتاب کو عربی میں منتقل کیا۔ جس کی اصلاح پہلے حنین نے اور بعد میں ابن جلجل نے کی۔ یہ ایا صوفیا لائبریری میں موجود ہے نمبر ۳۷۰۲ کے تحت جو نسخہ ہے اس کے اوراق ۱۷۰ تک ہیں اور مخطوطہ نمبر ۳۷۰۳ میں اوراق ۱-۱۳۵ ہیں اس کے علاوہ ۳۷۰۴ کے تحت اوراق کی تعداد ۱ تا ۱۸۰ ہے[95]

۲- کتاب حرکات الصدر والرئۃ از جالینوس (تین مقالات) حنین نے عربی ترجمہ کے ناقص حصوں کی اصلاح کی۔

۳- کتاب علل النفس از جالینوس (دو مقالات) حنین نے اپنے لڑکے کے لئے ترجمہ شدہ کتاب کی اصلاح کی۔

۴- کتاب حرکۃ العضل (دو مقالات) حنین نے اصلاح کی۔

۵- کتاب الامتلاء از جالینوس (ایک مقالہ)

۶- کتاب المرۃ السوداء از جالینوس (ایک مقالہ)

۷- کتاب الفصد از جالینوس۔ اس کتاب کے ترجمہ میں عیسیٰ بن یحیٰی شامل تھا

۸۔ کتاب عدد القائمین۔ اصطفن کے علاوہ اسحٰق نے بھی اس کا ترجمہ علی بن یحییٰ کے لئے کیا۔ [96]

ابوزکریا یحییٰ بن عدی المنطقی (متوفی ۳۶۳ھ/۹۷۳ء) | یہ نصرانی تھا اور عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ اپنے دور میں علوم حکمت سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے ابوبشر متی بن یونس، ابونصر محمد بن محمد خان فارابی اور چند دیگر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ یہ نقل و ترجمہ میں بہت ماہر تھا۔ اس نے سریانی سے عربی میں ترجمے کئے ہیں۔ یہ کتابیں نقل کرنے میں کافی ماہر تھا۔ ایک بار کسی دوست نے کہا کہ دن بھر ایک جگہ بیٹھ کر کتابیں نقل کرنا کہاں کی عقلمندی ہے اس نے جواب دیا کہ اس طرح اب روزانہ بیٹھنے اور لکھنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ میں نے دو بار تفسیر طبری نقل کی ہے۔ متکلمین کی بے شمار کتابیں نقل کر چکا ہوں اور اب ارادہ ہے کہ روزانہ کم از کم ایک سو یا اس سے زائد صفحات نقل کروں گا۔

چونکہ یہ اپنے دور کا مشہور منطقی تھا اس لئے اس کی زیادہ تر تصنیفات منطق پر ہیں اور ایسی ہی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ طب سے متعلق صرف ایک ترجمہ کا تذکرہ ملتا ہے اور وہ جالینوس کی کتاب الترياق پر شرح فیلوپونوس (Philoponus) کا ترجمہ ہے [97]

الحسین بن ابراہیم بن الحسن بن خورشید الطبری الناتلی | اس نے ۳۸۰ھ/۹۹۹ء میں امیر ابوعلی ساجوری کے لئے ذیسقوریدیس کی کتاب الحشائش کا تصحیح شدہ ترجمہ کیا یہ مخطوطہ لیڈن لائبریری، برٹش میوزیم (لندن)، بالاتیا ([illegible]) اور خدا بخش (پٹنہ) کی لائبریری میں محفوظ ہے [98]

ابوعلی عیسیٰ بن اسحٰق بن زرعہ (متوفی ۳۹۸ھ/۱۰۰۸ء) | یہ بغداد میں ۳۳۱ھ/۹۴۲ء میں پیدا ہوا۔ یہ عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی اور یعقوبی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے بغداد میں فلسفہ اور طب کی تعلیم حاصل کی اور بہت سی طبی اور فلسفیانہ کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ منطقیانہ اور فلسفیانہ علوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور اپنے دور کے بہترین مترجمین میں شمار ہوتا تھا [99]

اس نے جن کتابوں کو سریانی سے عربی میں منتقل کیا ان میں سے صرف ایک کتاب طبی ہے

منتقل ہے۔ اور وہ جالینوس کی کتاب منافع الاعضاء فی جسم الانسان تفسیر یحییٰ نحوی اسکندرانی (دوسرا مقالہ) یہ مخطوطہ گوتھا (Gotha) کی لائبریری میں موجود ہے [100]

ابن شہدی کرخی | عہد عباسی میں آل کرخ نے [101] علمی تحریکات میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی خاندان نے بیت الحکمت کے قیام کے بعد طبی کتابوں کے ترجمہ کی طرف کافی توجہ دی چنانچہ سب سے پہلے شہدی کرخی اس کام پر مامور ہوا لیکن کوئی اہم مقام حاصل نہ کر سکا البتہ اس کے بیٹے ابن شہدی کرخی نے اپنے خاندان کا نام روشن کیا۔ یہ ایک متوسط درجہ کا مترجم تھا اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا شروع میں اس کے تراجم میں شہدی کرخی کے اثرات زیادہ نمایاں تھے بعد میں اس میں پختگی آئی اور باپ سے اس کا مرتبہ بلند ہو گیا۔ ابن ندیم کے مطابق اس نے بقراط کی کتاب الاجنۃ کو عربی کا جامہ پہنایا [102] اور وہ ایا صوفیہ لائبریری میں محفوظ ہے مخطوطہ کا نمبر ۳۶۳۲ ہے اور اوراق ۱۷۳ تا ۱۹۴ب ہیں [103]

ابراہیم بن الصلت | یہ بھی اوسط درجہ کا مترجم تھا اور کئی زبانوں سے واقف تھا یعنی یونانی سے سریانی، عربی اور لاطینی میں ترجمہ کرتا تھا پہلے یہ سرجیس کی نگرانی میں تراجم کا کام انجام دیتا تھا۔ بعد میں حنین ابن اسحٰق کی صحبت اختیار کر لی۔ اس نے جالینوس کی کتاب "ضعفات النبض لطرع" کو سریانی اور عربی میں منتقل کیا [104] یہ مخطوطہ ایا صوفیہ لائبریری میں موجود ہے اس کا نمبر ۳۵۹۱ اور اوراق ۱۲۵ا تا ۱۵۷ ہیں [105]

یحییٰ بن سنتیار | اس کے حالات زندگی کے بارے میں معلومات فراہم نہ ہو سکیں صرف اتنا ضرور معلوم ہو رہا ہے کہ وہ سریانی اور عربی زبان سے واقف تھا اور اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ اس نے جالینوس کے رسالہ فی النوم و الیقظہ کو سریانی سے عربی میں منتقل کیا اور وہ ایا صوفیا لائبریری میں (مخطوطہ نمبر ۳۷۲۵) موجود ہے اور اوراق ۷۳ا تا ۷۹ا ہیں [106]

عبداللہ بن علی | اس کا تعلق جندیشاپور سے تھا اور فارسی و عربی دونوں زبانوں سے واقف تھا، برامکہ کی دعوت پر بغداد آیا اور چرک کی کتاب سیرک کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا [107] غالباً برامکہ نے اس کو فارسی میں منتقل کیا تھا۔ [108]

مذکورہ مترجمین کے علاوہ عہد عباسی میں کچھ اور ترجمہ نگار بھی تھے جو دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان بھی جانتے تھے لیکن طب سے متعلق ان کے کسی عربی ترجمہ کا ذکر نہیں ملتا ہے اسی لئے ذیل میں صرف ان کا نام درج کیا جا رہا ہے۔

زرو بابا زرو بابا بن ماجوہ (ماخوہ)، الناعمی الحمصی، ہلال بن ابی ہلال الحمصی، ابو نصر ناری بن ایوب، بسیل مطران، ابو یوسف الکاتب، نیقفا الراہاوی، تیوفیل بن توما الرہاوی، منصور بن باناس، عبدیشوع بن بہرین، سلام الابرش، ایوب الرہاوی، ابو روح الصابی، ابو عمرو یوحنا بن یوسف، ایوب بن القاسم الرقی الرماحی، دادیشوع، التفلیسی (عیسی الرقی)، ابراہیم بن بکس، علی بن ابراہیم بن بکس، عیسی بن ماسر جیس، نظیف القس، ابو یعقوب یوسف بن عیسی المتطبب الناقل، عبد المسیح بن عبد اللہ بن ناعمہ الحمصی، حجاج بن یوسف بن مطر، ثابت الناقل وغیرہ۔

آٹھویں صدی کے نصف سے گیارہویں صدی تک عربی تقریباً تمام بنی نوع انسان کی سب سے بڑی علمی زبان تھی جس طرح آجکل کوئی علمی ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مغربی زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو سیکھنا لازمی ہوتا ہے، اسی طرح پہلے بھی ہر قسم کے علوم کے حصول کے لئے عربی زبان سیکھنا پڑتا تھا۔

اثرات | عہد عباسی میں بیت الحکمت کی علمی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس کے قیام کے بعد بیشتر مترجمین اس سے وابستہ ہو گئے تھے چنانچہ شعبۂ تراجم سے وابستہ ہونے کے بعد جو طب کے عربی تراجم منظر عام پر آئے وہ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ معیاری تھے، یہاں جو علمی کارنامے انجام دیئے گئے ان کے نقوش و اثرات دنیا کی تمام قوموں، بالخصوص اہل عرب کے اندر نمایاں طور سے ملتے ہیں۔ صمصام الدولہ (عہد حکومت ۳۷۲ھ/۹۸۳ء تا ۳۷۶ھ/۹۸۶ء) اور بہاء الدولہ دیلمی (عہد حکومت ۳۷۹ھ/۹۸۹ء تا ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء) کے وزیر ابو نصر شاپور بن اردشیر نے بغداد میں ۳۸۳ھ/۹۹۳ء میں بیت الحکمت کے طرز کے ایک دار العلم کی بنیاد رکھی جس میں ایک عظیم کتب خانہ بھی تھا جو کہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۶ء میں بغداد پر سلجوقی طغرل کے حملہ کے دوران نذر آتش ہو گیا۔

دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں قدیم علوم کی تدوین و ترجمہ کے سلسلے میں جو کوششیں ہوئیں اور مختلف اقوام و ملل سے جو علماء اور دانشور اکٹھا ہوئے ان سب کی وجہ سے بغداد مسلمانوں کا عظیم علمی ادارہ ہو گیا اور جب تک اس ادارہ کے تعلیم یافتہ افراد نے علوم کی اشاعت میں سبقت نہیں کی اس وقت تک یہ علوم عقلی کا واحد مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ اصل بغداد کے بعد ہی دیگر علمی ادارے قائم ہوئے جن میں ایک سامانی بادشاہوں کا بخارا قرار پایا تھا جہاں سامانیوں کے قصر میں ایک عظیم کتب خانہ تھا، یہاں ابن سینا براہ راست کتابوں سے استفادہ کرتا تھا۔

آل بویہ کے امراء اور ان کے وزراء کی توجہ سے اصفہان اور رے بھی علم و ادب کے معروف مراکز بن گئے، محمود غزنوی کے تسلط کے وقت شہر رے میں مختلف علوم و فنون پر مشتمل ایک کتب خانہ تھا جس سے بیشتر کتابیں محمود کے حکم سے نذر آتش کر دی گئیں اور کچھ مفید کتابیں اس کے شہر سے منتقل کر دی گئیں اسی طرح نیشاپور، گرگان، ترگانج اور تبریز بھی تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دانشوروں کے اجتماع اور امراء کی تشویق کے نتیجہ میں قدیم علوم کی اشاعت کے مراکز بن گئے۔

یہی حال مغربی اسلامی ممالک کا ہے وہاں بھی آل حمدان، طولونیون، فاطمی خلفاء اور اندلس کے اموی خلفاء کی علمی دلچسپی اور ان کی خصوصی توجہ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ موصل، حلب، دمشق، فسطاط، قاہرہ، اور قرطبہ میں بھی عظیم علمی ادارے قائم ہو گئے، اغلبی خاندان کے دور حکومت میں زیادۃ اللہ سوم (۲۹۰-۲۹۶ھ/۹۰۳-۹۰۸ء) نے قیروان میں ایک بیت الحکمت کی بنیاد رکھی جو شمالی افریقہ میں علوم و فنون کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ مصر کے فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (عہد حکومت ۳۸۶ھ/۹۹۶ء تا ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) نے ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں بغداد کے علمی مرکز کی تقلید میں ایک دار الحکمت قائم کیا جسے "دار العلم" کے نام سے ایک کتب خانہ کا بھی اضافہ کیا۔ اندلس کے اموی خلیفہ الحکم بن عبد الرحمن الناصر (عہد حکومت ۳۵۰ھ/۹۶۱ء تا ۳۶۶ھ/۹۷۶ء) نے اندلس کی علمی دنیا میں حیرت انگیز اضافے کئے۔ تاریخ عالم میں یہ اپنے دور کی پہلی شخصیت ہے جس نے اہل علم

کو علمی، ادبی اور فنی کتابیں تصنیف کرنے پر غیر معمولی انعامات دیے [۵۱] الحکم کے کتب خانے میں تقریباً چار لاکھ کتابیں تھیں اور ان کتابوں کی فہرستیں جو بیس جلدوں میں تیار کی گئی تھیں [۵۲] پانچویں صدی ہجری میں عمار خاندان کے ایک فرمانروا امین الدولہ ابو طالب حسن بن عمار (متوفی ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء) نے شام کے شہر طرابلس میں ایک دار العلم قائم کیا اس طرح سے ان تمام مرکزوں میں اطباء، فلاسفہ اور دانشور جمع ہوئے جن میں سے بیشتر تعداد عیسائیوں اور یہودیوں کی تھی یہ لوگ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام انجام دیتے رہے چنانچہ بیشتر علمی سرمایہ عربی زبان میں منتقل ہو کر منظر عام پر آگیا۔

عہد عباسی میں جہاں تراجم کا زبردست کام ہوا وہیں علمی اور تصنیفی تحریک کی بھی بنیاد پڑی۔ جب حنین اور دیگر مترجمین یونانی اور ہندی زبانوں کی طبی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے میں مصروف تھے اس وقت بغداد میں ممتاز اطباء کا ایک گروہ موجود تھا جس نے تراجم کو اپنی صلاحیت سے فروتر سمجھ کر اس کو نظر انداز کر دیا اور خود عربی زبان میں کتابیں لکھ کر طب یونانی کو فروغ دیا۔ اس میں مدرسہ جندیشاپور کے تقریباً وہ سب اطباء شامل تھے جنھوں نے عربی میں طبی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے علاوہ اس عہد کے دوسرے اطباء مثلاً سابور بن سہل، عیسیٰ بن ماسہ وغیرہم بھی اس سے منسلک تھے۔ ان کی تصنیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ تصانیف جن کا تعلق ان موضوعات سے ہے جن پر قدیم اطباء نے اپنی کتابوں میں روشنی ڈالی ہے اور جن کا عربی میں ترجمہ کیا گیا جیسے یوحنا (یحییٰ) بن ماسویہ کی کتاب المشجر اور عیسیٰ بن ماسہ کی کتاب من لا یحضرہ طبیب۔ ان دونوں کتابوں میں مصنفین نے قدیم موضوعات کو نئے طرز اور اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے تجرباتی نتائج کو قدیم ماخذ سے جوڑا ہے۔ یوحنا بن ماسویہ (متوفی ۲۴۳ھ/۸۵۷ء) نے اپنی کتاب کو جدول کی شکل میں ترتیب دیا ہے میرے خیال میں اس سے پہلے کبھی اس طرز پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کا نسخہ خدا بخش لائبریری (پٹنہ) اور رضا لائبریری (رامپور) میں ہے۔

۲- وہ کتابیں جن کے موضوعات پہلے سے مختلف ہیں اور جن پر قدیم اطباء نے قلم نہیں اٹھایا ہے مثلاً (۱) سابور بن سہل (متوفی ۸۶۹ء) کی قرابادین جس کی شہرت اور مقبولیت اس وقت تک تھی جب تک کہ ابن تلمیذ (بارہویں صدی عیسوی) کی کتاب منظر عام پر نہیں آگئی۔ (۲) ابو موسیٰ عیسیٰ کی کتاب البواسیر اور (۳) قسطا بن لوقا کی کتاب فی علۃ الموت فجاءۃ۔

گرچہ عہد عباسی میں اطباء نے طب کے فروغ کے لئے مختلف طریقوں سے کوششیں کیں تراجم کے ساتھ ساتھ طبی تصانیف بھی پیش کیں لیکن ان کی نظروں سے ایک چیز اوجھل ہو گئی وہ یہ کہ اس فن کے مختلف شعبوں کو منظم انداز میں ترتیب نہ دے سکے اس عظیم الشان کارنامہ کو طبرستان کے ممتاز اور ذی علم طبیب ابو الحسن علی بن ربن طبری (وفات بعد از ۸۵۵ء) نے متوکل باللہ کے عہد خلافت میں، فردوس الحکمت جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھ کر انجام دیا، پھر یہ کارواں علم و فن آگے بڑھتا رہا اور زکریا رازی کی کتاب الحاوی، علی بن عباس مجوسی کی کتاب الصناعۃ اور ابن سینا کی کتاب القانون فی الطب نے علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

مصادر و مراجع

۵۲ الفہرست (اردو ترجمہ) ص ۶۳۲ ۵۳ تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ) ص ۳۰۵
۵۴ سٹڈیز ان عرب اینڈ پرشین میڈیکل لٹریچر از زبیر صدیقی مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۹ء ص ۴۱
۵۵ الفہرست ص ۶۳۳، ۵۶ تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی (فارسی) ص ۷۹
۵۷ طبقات الاطباء ص ۲۰۱ ۵۸ الفہرست ص ۵۷۳۔
۵۹ مختصر تاریخ الطب العربی از ڈاکٹر کمال سامرائی ۱/۳۶۹ بحوالہ بیت الحکمت کی علمی خدمات از وسیم احمد اعظمی مطبوعہ ۱۹۸۸ ص ۲۰۶
۶۰ مفضل حمصی جالینوس سے پہلے گزرا ہے اس کا شمار بقراط کے شاگردوں میں ہوتا ہے ملاحظہ کیجئے الفہرست ص ۶۶۷ ۶۱ تاریخ الادب العربی (جلد چہارم) ص ۱۱۸

٩٢ تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی ص ٣٥٥

٩٣

٩٤ تاریخ الحکماء ص ٢٣٦ ٩٥ تاریخ الادب العربی (جلد چہارم) ص ١١٩

٩٦ کتاب نمبر ٢ سے ٩ تک کیلئے ملاحظہ فرمائیں الفہرست ص ٦٦٩، ٦٧٠، ٦٧١

٩٧ تاریخ الادب العربی ص ١٢١ ٩٨ ایضاً ص ١٢٢

٩٩ الفہرست ص ٦١٤ ؛ تاریخ الحکماء ص ٢٣٦ : ٢٣٧

١٠٠ تاریخ الادب العربی (جلد چہارم) ص ١٢٢

١٠١ کرخ بغداد کا ایک محلہ اور عراق کا ایک شہر ہے ملاحظہ ہو تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی ص ٨١

١٠٢ الفہرست ص ٥٢٣ ١٠٣ تاریخ الادب العربی (جلد چہارم) ص ١٢٣

١٠٤ الفہرست ص ٦٠٠ ١٠٥ تاریخ الادب العربی ص ١٢٣

١٠٦ تاریخ الادب العربی ص ١٢٣ ، ١٠٧ الفہرست ص ٦٩٥

١٠٨ اسٹڈیز ان عربک اینڈ پرشین میڈیکل لٹریچر از زبیر صدیقی مطبوعہ کلکتہ ١٩٥٩ء ص ٣

١٠٩ تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی ص ١٥٣ ؛ ١١٠ ایضاً ص ١٥٧

١١١ ایضاً ص ١٥٤ ١١٢ تہذیب و تمدن اسلامی از رشید اختر ندوی حصہ دوم مطبوعہ لاہور پاکستان ١٩٥٩ ص ٤٧٤ ١١٣ ایضاً ص ٤٨٣

مولانا افضل حسینؒ ——— ایک اجمالی نظر

پیدائش: سنہ ١٩١٨ء ——— جائے پیدائش: دودھارا ضلع بستی۔ یوپی ———

تعلیم: ایم۔ اے (M.A) علی گڑھ، L.T آگرہ یونیورسٹی ——— رکنیت جماعت: سنہ ١٩٤٦ء

مدت نظامت (درسگاہ اسلامی رامپور) سنہ ١٩٤٩ء سے سنہ ١٩٦٢ء ———

معاون قیم جماعت: سنہ ١٩٦٢ء ——— قیم جماعت: اپریل سنہ ١٩٦٧ء ——— وفات: ۱۷ جنوری سنہ ١٩٩٠ء

(ادارہ)

مختصر رپورٹ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

منعقدہ ١٨ر تا ٢٣ر دسمبر ١٩٨٩ء

١٨ر دسمبر ١٩٨٩ء کو بعد نماز مغرب اجلاس کا آغاز ہوا۔ جس میں نسیم احمد غازی صاحب فلاحی (صدر انجمن)، رحمت الاثری صاحب فلاحی، محمد عرفان صاحب فلاحی، انصار احمد صاحب فلاحی، نور محمد صاحب فلاحی، شبیر صاحب فلاحی، خالد حامدی صاحب فلاحی، مقبول احمد صاحب فلاحی، عبید اللہ فہد صاحب فلاحی اور جاوید اشرف (سکریٹری انجمن)، نیز مشاہد کی حیثیت سے مطیع اللہ صاحب فلاحی، محمد اسمٰعیل صاحب فلاحی اور اظہار احمد صاحب فلاحی شریک ہوئے۔

ابو الکلام صاحب فلاحی کا تحریری معذرت نامہ موصول ہوا، عبد السلام صاحب فلاحی اپنی اہلیہ کی بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے جبکہ معین الدین صاحب فلاحی کی جانب سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

کارروائی کا آغاز رحمت الاثری صاحب فلاحی کی تذکیر سے ہوا۔ اس کے بعد جامعہ کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر طلبہ کی تعلیم و تربیت میں بہتری لانے کی غرض سے مختلف ذمہ داروں اور اساتذہ کرام سے ملاقاتوں کا پروگرام بنا اور اس طرح شوریٰ کے افراد نے طلبہ، اساتذہ کرام اور انتظامیہ کے افراد سے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی تفصیلی ملاقاتیں کیں۔

اس کے علاوہ نشستوں میں درج ذیل امور طے پائے۔

١۔ سکریٹری انجمن جاوید اشرف فلاحی کے استعفیٰ پر غور و خوض کے بعد اسے منظور کرلیا گیا، اس کے بعد نور محمد صاحب فلاحی کو انجمن کا سکریٹری منتخب کیا گیا۔

بقیہ صفحہ ٦٠ پر

تابش مہدی

مولانا افضل حسین ؒ ایم اے، ایل ٹی

یہ مضمون محترم مولانا افضل حسین کی خبر وفات سن کر برجستہ قلم بند کیا گیا۔

ت م

نئے سال کی پہلی تاریخ کو ہم سب کے مشفق و مہربان، قیم جماعت اسلامی ہند، درجنوں کتابوں کے مصنف و مؤلف اور معروف ماہر تعلیم مولانا افضل حسین صاحب پچہتر سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہ کوئی نئی بات نہیں، انھیں ایک دن یہاں سے جانا ہی تھا، وہی کیا جو بھی اس دنیا میں آیا ہے، وہ یہاں سے جانے ہی کے لئے آیا ہے۔ یہ اللہ کا ایک اٹل فیصلہ ہے —— کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر متنفس کو ذائقہ موت چکھنا ہے —— ہم اور آپ بھی ایک دن اسی طرح یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ ؎

ہم کیا رہیں گے جب نہ رسولِ خدا رہے

یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اور کہاں فرشتۂ موت آ کر ہم سے مہلت زیست چھین لے۔ لیکن یہ بات بہرحال اہم ہے اور غیر معمولی اہم ہے کہ اب ہماری صفوں میں مولانا افضل حسین صاحب جیسا عظیم شخص نہیں رہا، جماعت اسلامی ایک عدیم المثال اور مخلص رہنما سے محروم ہو گئی اور ہمارا ملک ہندوستان ایک زبردست ماہر تعلیم و عالم نفسیات سے خالی ہو گیا۔

ملک و بیرون ملک سے مولانا مرحوم کے ورثاء و پسماندگان کے پاس تعزیتی خطوط اور ٹیلی گرام آ رہے ہوں گے —— لیکن حقیقت یہ ہے کہ تحریک اسلامی سے وابستگی کے رشتے سے ہم سب ہی تعزیت کے مستحق ہیں۔ صحیح معنوں میں ان کے پسماندگان اور ورثاء ہم ہی ہیں —— ان تعزیتی خطوں اور ٹیلی گراموں کے مستحق ہم ہیں۔ مگر اس دنیا کی ریت ہی کچھ اور ہے۔

مولانا افضل حسین صاحب کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔ اور نہ بارہا ملاقاتوں اور صحبتوں کے مواقع میسر آنے کے باوجود میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی کی۔ مجھے ہمیشہ ان کے علمی و ادبی کارناموں اور دعوتی و تحریکی جانفشانیوں اور تجربوں سے دلچسپی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ان کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا رہا ہوں —— ماہ نومبر ۱۹۹۰ء میں اوائل میں، جب مرکز میں ان سے ملاقات ہوئی —— جو کہ میری ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی —— تو دیکھا کہ زندگی کی تھکن کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں تھے۔ وہ بہ مشکل دو ہرنیا کا کامیاب آپریشن کرا کر واپس آئے تھے۔ میں کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہا، موصوف مرحوم بڑے اطمینان سے اپنی بیماری اور آپریشن کی تفصیلات سنا رہے تھے کہ یک بیک مجھے اپنی بے بسی اور مجبوری کا احساس ہوا —— وہی مجبوری اور بے بسی جو ہر انسان کا مقدر ہے۔ سوچا، "کاش مجھے اس بات پر قدرت حاصل ہوتی کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی تحریک اسلامی کے اس سپاہی کو سونپ سکتا —— ظاہر ہے کہ یہ ناممکن تھا، ناممکن ہے اور ناممکن رہے گا۔ زندگی و موت کی تقسیم صرف اور صرف اللہ کا کام ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں۔

مولانا افضل حسین صاحب ضلع بستی کے ایک غیر معروف قریہ کے رہنے والے تھے، ان کا گھرانہ ایک خوش حال، متمول اور با عزت گھرانہ رہا ہے۔ جاننے والے بتاتے ہیں کہ مولانا مرحوم اس وقت گھوڑے پر بیٹھ کر اسکول جایا کرتے تھے، یہ اس زمانے میں غیر معمولی اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔ مولانا مرحوم نے عصری تعلیم کی تکمیل

علی گڈھ میں کی۔ ایم۔ اے اور پھر ایل۔ ٹی کرنے کے بعد ایک ٹریننگ اسکول میں استاذ ہو گئے، چونکہ موصوف اعلیٰ درجہ کے ذہین اور قابل و فاضل ماہر تعلیم تھے اس وجہ سے محکمہ تعلیم نے بہت جلد ایجوکیشن انسپکٹر بنا دیا۔ اور کافی دنوں تک جھانسی میں ایجوکیشن انسپکٹر رہے۔ مولانا مرحوم تحریک اسلامی سے اپنی وابستگی کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

"ہم علی گڈھ میں زیر تعلیم تھے، ہمارے ذہنوں پر کافی حد تک تجدد کا غلبہ تھا، مولانا مودودیؒ نے اس وقت تک جماعت کی تشکیل تو نہیں کی تھی البتہ ترجمان القرآن اور دوسرے رسائل و جرائد کے ذریعہ ان کے فکر پارے منظر عام پر آنے لگے تھے، وہاں کے طلبہ ان فکر پاروں کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے اور انہیں اپنے ہم عمروں میں پھیلایا کرتے تھے — لیکن ہم قطعی بے خبر تھے، ایک دن ایک صاحب کسی طالب علم کے پاس آئے ہوئے تھے، ان کے پاس رسالہ ترجمان القرآن تھا، میں نے ان سے لے کر ورق گردانی شروع کر دی — ان صاحب نے بڑے تحقیر آمیز لہجے میں کہا کہ — "کوئی مولوی صاحب ہیں — ابوالاعلیٰ مودودی — خدا جانے کیوں وہ دین کا حلیہ بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں، وہ دین اسلام کو ایک تحریک سے تعبیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک لیڈر تھے — اس میں انھیں کا مضمون ہے۔"

مولانا نے فرمایا کہ ان بزرگ کا تبصرہ سن کر "میں اچھل پڑا — اور میرے منھ سے بے ساختہ نکل پڑا کہ — "کیا کوئی مولوی اتنی روشن خیالی اور وسیع النظری کی بات کر رہا ہے — پھر تو میں یہ مضمون ضرور پڑھوں گا — میری یہ بات سن کر وہ بزرگ بڑی حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے — اس مضمون کو پڑھتے ہی مولانا کے دل کی دنیا بدل گئی، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر مولانا مرحوم کی شائع شدہ کتابیں اور مضامین پڑھنے لگے اور مولانا مودودیؒ اور ان کے لٹریچر ہی کے ہو کر رہ گئے اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ

موصوف مرحوم نے اپنی باوقار ملازمت بھی ترک کر دی۔

یہ امتیاز صرف جماعت اسلامی کو حاصل ہے کہ اس کے سیکڑوں وابستگان محض رضائے الٰہی کے لئے اونچے اور اعلیٰ سرکاری عہدوں کو ٹھکرا کر پوری یکسوئی کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کی مہم میں لگ گئے۔ ان میں کوئی جج تھا تو کوئی رجسٹرار، کوئی اعلیٰ درجہ کا ایڈووکیٹ تھا تو کوئی ڈپٹی انسپکٹر یا کچھ اور — جب ہم اس طرح کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں ایک دو نہیں درجنوں محمد یوسف، عبدالعظیم، محمد مسلم، مطیع الرحمن، حامد حسین اور رئیس الدین نظر آتے ہیں۔ مولانا افضل حسین صاحب بھی انھیں مبارک ہستیوں میں تھے جنھوں نے اپنی ساری خاندانی اور رسمی جاہ و حشمت کو نظر انداز کر کے جماعت اسلامی کی قلندرانہ زندگی بسر کی۔ اور محکمہ تعلیمات کے اعلیٰ عہدے اور اونچی تنخواہ کو ٹھکرا کر مستعفی ہو گئے اور جماعت اسلامی کی وہ ابتدائی درسگاہ جو اس وقت ملیح آباد میں قائم ہوئی تھی اور اب رام پور میں منتقل ہو چکی ہے اس میں نہایت قلیل کفاف پر خدمت انجام دینے لگے۔ خدمت بھی ایسی کی کہ درسگاہ کو اپنے عہد کی معیاری اور قابل ذکر درسگاہ کی حیثیت سے پیش کر دیا۔

مولانا نے امت کی بے راہ روی کو دیکھ کر جو معیاری نصاب مرتب کیا ہے وہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو شاید کبھی بھی فراموش نہ کیا جا سکے۔ اس نصاب کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مرحوم اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے کیونکہ تنہا وہ کارنامہ انجام دیا جو کسی بہت بڑے ادارے کے کرنے کا تھا۔ مولانا اپنے اس مرتب کردہ معیاری اور مقبول ترین نصاب کو بھی اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا سکتے تھے اور اس سے کافی مالی منفعت حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے رائلٹی کی مد میں کبھی ایک پیسہ بھی طلب نہیں کیا۔ جبکہ ان کی کتابیں ہند و پاک میں غیر معمولی طور پر مقبول ہیں، دونوں ملکوں کے اسکولوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ اور اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں۔

محترم قیم جماعتؒ ایک نہایت مشفق و مہربان مشیر اور بہترین مربی بھی

تھے، وہ اپنے اس منصبی فریضے سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ مطالعہ بھی بہت وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ جب اور جس موضوع پر بھی گفتگو کیجئے یا مشورہ طلب کیجئے ایسا لگتا تھا کہ ؎

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

فروری ۱۹۶۳ء کے اوائل میں مجیدیہ کالج الٰہ آباد میں جماعت اسلامی الٰہ آباد ڈویژن کا اجتماع تھا۔ اس میں ایک ادبی پروگرام بھی تھا۔ میں دیوبند سے چل کر اپنے وطن پرتاب گڑھ اور پھر وہاں سے اگلے دن الٰہ آباد پہنچا۔ اس اجتماع میں مرکز جماعت سے محترم مولانا محمد یوسف صاحب (اس وقت کے امیر جماعت) اور محترم مولانا افضل حسین صاحب قیم جماعت اسلامی ہند بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا افضل صاحب سے گو کہ میں کم عمری ہی سے واقف تھا اور ان کی مرتب کردہ کتابوں سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ لیکن ملاقات کا موقع اس وقت تک نہیں میسر آسکا تھا انہیں میں نے سب سے پہلے اسی الٰہ آباد کے ڈویژنل اجتماع ہی میں دیکھا، دیکھا کیا بلکہ یوں کہئے اس مختصر سی صحبت کو غنیمت جان کر بھرپور استفادہ کیا۔ میں ان دنوں ادارہ "تجلی" دیوبند سے وابستہ تھا۔ اس کے تحت شائع ہونے والے اخبار پندرہ روزہ "اجتماع" کی ادارت بھی میرے ذمہ تھی۔ میں نے ہندوستان میں پہلی بار کافی تیاری کے بعد اجتماع کا ماہر القادری نمبر شائع کیا تھا۔ اس کی کچھ کاپیاں میرے ساتھ تھیں۔ موصوف مرحوم ہی کی زبانی پتہ چلا کہ مرکز میں یہ نمبر ان کے مطالعے میں آچکا ہے۔ نمبر میں شامل مضامین کی تحسین فرمائی، خصوصاً اداریہ "منعکس حقیقت" کو کافی سراہا، مدیر اجتماع نے اداریہ کے ذیل میں جو ادبی موضوع قائم کیا تھا اور اس کے ضمن میں بعض شاعروں اور ادیبوں پر تنقید کی تھی اسے بے حد پسند فرمایا اور اسی تعلق سے کئی مفید مشورے بھی دیئے۔

اس پہلی ملاقات نے جو اثر دل پر چھوڑا تھا وہ اب تک باقی ہے۔ اور شاید ہمیشہ باقی رہے۔ اسی اجتماع میں اپنے مخلص و شفیق بھائی محترم اعجاز اسلم صاحب

امیر جماعت اسلامی تامل ناڈو سے بھی سب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اور اسی اجتماع میں اپنے مشفق و بہی خواہ بزرگ محترم مولانا حکیم مختار احمد صاحب مجددی کو بھی دیکھا تھا جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے ہمیشہ میرے حالات سے ہمدردانہ دلچسپی رکھی اور میرے ہر رنج و غم کو اپنا رنج و غم اور میری ہر خوشی و مسرت کو اپنی خوشی و مسرت سمجھا ؎

آسماں اُن کی "لحد پر شبنم افشانی کرے"۔

الٰہ آباد کے اجتماع کے بعد حالات کچھ ایسے بن گئے کہ مولانا افضل صاحب سے مسلسل اور پے بہ پے ملاقاتیں رہیں۔ ہر ہفتہ نہیں تو مہینہ میں کم از کم دوبار ضرور دلی جانا ہوتا۔ اور ہر بار ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرتا۔

کئی سال تک تو میری یہ حالت رہی کہ میں دلی کے سفر کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کیا کرتا تھا۔ اور جب دلی کے لئے روانہ ہوتا تو دل کی عجیب کیفیت ہوتی۔ بالکل وہی کیفیت جو کسی کم سن بچے کی اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے ننھیال یا کسی دوسرے قریبی اور خونی رشتے دار کے ہاں جا رہا ہوتا ہے۔ مجھے یہ کیفیت عطا کرنے والے مرکز جماعت کے وہ بزرگ اور ان کی شفقتیں تھیں جو اپنا سب کچھ لٹا کر محض اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی سرخروئی کی غرض سے اقامت دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ میرے ان بزرگوں میں محترم افضل حسین صاحب کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

سوچتا ہوں کہ اب تو افضل صاحب بھی داغ مفارقت دے چکے ہیں۔ مرکز کے باقی بزرگ بھی اپنی عمر اور صحت کے اعتبار سے چراغ سحری ہیں۔ ان کے بعد ہم جیسے "خوردوں" کو کون منہ لگائے گا؟ کون ہماری سرپرستی کرے گا؟ لیکن یہ سوچ کر ڈھارس بندھتی ہے کہ جس مقصد اور نصب العین کے رشتے نے مولانا افضل حسین یا فلاں و فلاں بزرگوں کی شفقتیں عطا کی تھیں، اس مقصد اور نصب العین کا رشتہ ابھی باقی ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قیم جماعت مرحوم مولانا افضل حسین صاحب کو بلند ترین درجات سے ہم کنار کرے، ان کی قبر کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ دے، انکی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ان کے اٹھ جانے سے حلقۂ تحریک میں جو خلا پیدا ہوا ہے اور جو کمی واقع ہوئی ہے غیب سے اس کی تلافی کی شکل پیدا کرے آمین۔

خدا معلوم یہ شہر خموشاں کیسی بستی ہے
زمیں آباد ہو جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

بقیہ: مختصر رپورٹ انجمن ــــــ

۲۔ نور محمد صاحب فلاحی کے سکریٹری منتخب ہو جانے کے بعد ان کی جگہ پر اظہار احمد فلاحی کو انجمن کا نیا خازن مقرر کیا گیا۔

۳۔ مجلہ حیات نو کی باقاعدہ ذمہ داری محمد اسمٰعیل صاحب فلاحی کے سپرد کی گئی۔

۴۔ طے ہوا کہ جامعہ میں موجود فلاحی اور غیر فلاحی برادران کو متعین تحقیق اور تصنیفی ذمہ داریاں دی جائیں چنانچہ ابتدائے کار کے طور پر بعض افراد کو کچھ ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

اور آخر میں دعا پر اس اجلاس کا اختتام ہوا۔

جاوید اشرف فلاحی
سابق سکریٹری۔

ــــ گذارش ــــ

براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں بصورت دیگر تعمیل میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ (ادارہ)

اشتراکیت کا زوال

خورشید احمد ندیم

دنیا کی سب سے بڑی اشتراکی مملکتیں، روس اور چین، گزشتہ چند ماہ کے دوران میں انتہائی اہم تبدیلیوں سے گزری ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں سیاسی قیادت کی تبدیلی، جمہوریت و آمریت کی آمد و رفت اب روزمرہ کے معمولات میں شامل ہیں۔ اس لئے "اہم واقعات" کے ضمن میں ان کا تذکرہ کم ہی ہوتا ہے لیکن جب اس طرح کی کوئی تبدیلی کسی نظریاتی ریاست میں واقع ہو تو وہ اہم قرار پاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی تبدیلی کا تعلق کسی نظریہ کی فتح و شکست سے ہوتا ہے۔ روس و چین بھی چونکہ ایک نظریہ کی بنیاد پر قائم ریاستیں ہیں، اس لئے وہاں آنے والی یہ تبدیلیاں "معمول کے واقعات" سمجھ کر نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد روس میں پہلی مرتبہ انتخابات ہوئے اور ایک ایسی پارلیمان وجود میں آئی جہاں کمیونسٹ قیادت کے خلاف بات کرنا ممکن ہے۔ چین میں جمہوریت کے لئے مظاہرے ہوئے اور اس کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء کے بعد بدترین قتل و غارت ہوئی۔ لیکن لوگوں کے جذبات کچلنا اب چینی قیادت کے لئے ممکن نہیں رہا۔

روسی فکر کی بنیادیں کارل مارکس کے نظریات پر کھڑی ہیں۔ وہ اجتماعی مفاد کا زبردست علمبردار ہے۔ اشتراکیت میں اجتماعی مفادات کا حصول ہی کسی معاشرے کی غرض و غایت ہے کسی فرد کی نہ تو الگ کوئی شناخت ہے اور نہ کوئی حقوق۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فرد کی ذاتی حیثیت میں نہ کوئی رائے ہونی چاہئے اور نہ کوئی ملکیت وہ ایک اجتماعی نظام کا ایک جزو ہے۔ جس طرف یہ نظام حرکت کرے گا اسے بھی اس سمت میں متحرک ہونا پڑے گا۔ طبقاتی تقسیم چونکہ تمام مسائل کی بنیاد ہے اس لئے اسے ختم کرنے کے لئے اجتماعیت کو

نہیں دیا۔ اب سرمایہ دار کی جگہ ریاست نے لے لی۔ اسی ریاست نے وہ ختم کرنے آئے تھے۔ اور یہ استحصال کی جڑ تھی۔ اب برسرِ اقتدار طبقے کو سب کچھ حاصل تھا لیکن عام لوگ زندگی کی ضروریات سے اتنی ہی دور تھے جتنا کہ وہ ۱۹۱۷ء سے پہلے تھے۔ ریستورانوں اور ریلوں کے مختلف درجے، عالی شان محل اور تنگ و تاریک جھونپڑیاں، اسی طبقاتی تقسیم کی نمائندہ تھیں جسے ختم کرنے کا عزم کیا گیا تھا۔ اسی طرح روسی ریاستوں کے حقوق ختم کر دیئے گئے۔ اور انھیں مرکز کے جور و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ اس انقلاب کو دوسرے ممالک تک منتقل کرنے کی جارحانہ پالیسی اپنائی گئی۔ ہنگری، چیکوسلواکیہ، پولینڈ اور پھر افغانستان کی مملکتیں اس کا شکار ہوئیں۔

دراصل اس فکر کی بنیادیں کھڑی کرتے وقت انسان کی فطری ساخت اور صلاحیتوں کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ روسی قیادت کے پیشِ نظر انسانوں کا ایک جنگل آباد کرنے کا منصوبہ تھا جہاں سب انسان بغیر کسی پابندی کے پھرتے رہیں۔ آزادانہ اپنی خواہشات و ضروریات پوری کریں، اور ان کی ساری ذہنی و جسمانی صلاحیتیں صرف اس جنگل کو بہتر بنانے پر صرف ہوں۔

یہ فطرت کے خلاف اعلانِ جنگ تھا لہٰذا جلد یا بدیر اس کو شکست ہونا تھی۔ چنانچہ زیرِنگیں ریاستوں میں حقوق کی آواز بلند ہوئی۔ افغانستان میں تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہونے کے بعد سے یہ کہنا پڑا کہ اب کبھی کسی ملک پر جارحیت نہیں کی جائے گی۔ ملک خوراک کی قلت کا شکار ہوا۔ اس کے باوجود کہ دنیا کی کل خوراک کا تیسرا حصہ روس میں پیدا ہوتا ہے۔

روسی ریاستوں کے اندر جب اپنے حقوق کے تحفظ کی تحریک اٹھی تو شروع میں اسے طاقت کے زور پر ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ آرمینیا اور آذربائیجان میں جب تصادم ہوا تو وہاں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ اپریل میں جب جارجیا میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے مظاہرہ کیا تو وہاں بھی طاقت استعمال کی گئی اور اس دوران ۲۰ افراد ہلاک ہوئے۔

گورباچوف کی صورت میں روس کو پہلی مرتبہ ایک مدبر قیادت ملی ہے۔ انھوں نے

فروغ دینا ہوگا، اور یہ فرد کے افکار کے بغیر ممکن نہیں۔

چنانچہ اس بنیاد پر جو ریاستیں بھی قائم ہوئیں وہاں کسی کو اپنی رائے کے اظہار کی اجازت نہیں۔ جس نے کبھی کمیونسٹ پارٹی کے فیصلوں پر تنقید کی اسے انقلاب دشمن قرار دیا گیا اور اسے اس کی کڑی سزا ملی۔ روس کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد لینن نے انتہائی با اعتماد افراد پر مشتمل ایک کابینہ تشکیل دی۔ ظاہر ہے یہ پہلی کابینہ تھی اور اس میں وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو انقلاب کے ساتھ آخری درجے تک مخلص ہوں لیکن ان کا انجام یہ ہوا کہ کچھ عرصے کے بعد اسٹالن کے سوا کوئی باقی نہ بچا۔ وہ سب آزادی کے ساتھ اپنی رائے دیتے تھے۔

مارچ ۱۹۵۳ء میں اسٹالن کی موت کے بعد قیادت مالنکوف، بیریا اور مولوتوف کے ہاتھ آئی لیکن چار ماہ بعد بیریا پر غداری کا الزام لگا کر انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ غداری اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ مرکز کی پالیسیوں کے ناقد تھے۔

کسی پر الزام عائد کرنے کے بعد اسے عدالتی مراحل سے کم ہی گزارا جاتا ہے اور اگر چند بار ایسا ہوا ہے تو وہ محض ڈرامہ تھا۔ ۱۹۳۰ء کے عملِ تطہیر میں بے شمار افراد کے خلاف سنگین کارروائیاں ہوئیں مگر عدالت میں صرف ۲۴ افراد کو پیش کیا گیا اور یہ وہی تھے جنھوں نے اپنے کردہ جرم کا اعتراف کیا۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں روس کے سابق نائب وزیرِ خارجہ پر جب مقدمہ چلایا گیا تو پہلے روز اس نے عدالت میں کہا کہ وہ بے گناہ ہے مگر دوسرے ہی روز اس نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے لہٰذا اسے سزا دی جائے جب اعتراف کے بغیر بھی سزا ملنی ہے تو اپنے آپ کو مزید کسی اذیت سے بچانے کے لئے اعتراف کر لینے میں کیا حرج ہے؟

یہ واقعات کی ایک طویل فہرست میں سے چند کا ذکر تھا اور ان سے یہ اچھی طرح واضح ہے کہ کس طرح رائے کا اظہار اور انقلاب دشمنی باہم مترادف الفاظ قرار پائے۔ ستم تو یہ ہوا کہ جس طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہوا وہ نئے روپ کے ساتھ سامنے آ گئی لیکن چونکہ اب یہ سب کچھ انقلاب لانے والوں کی اپنی ناک کے نیچے ہو رہا تھا اس لئے کوئی

اپنے نظام کی ہلتی ہوئی بنیادیں دیکھ لی ہیں، اور یہ نوشتۂ دیوار پڑھ لیا ہے کہ یہ اشتراکی نظام سب زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا چنانچہ انھوں نے لٹویا (LATVIA)، لیتھونیا (LITHVANIA) اسٹونیا (ESTONIA) کی ریاستوں کے بنیادی حقوق تسلیم کرتے ہوئے انھیں روسی قانون کے تحت اپنی زبان اور جھنڈا استعمال کرنے اور اپنی معاشی پالیسیاں بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ آرمینیا اور آذربائیجان کی ریاستوں سے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت سب کی نظریں کمیونسٹ پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے اجلاس پر لگی ہوئی ہیں جو جولائی میں ہو رہا ہے اور جس میں ماسکو اور دوسری ریاستوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور حقوق کے سوال پر بحث ہوگی۔

چند ماہ پہلے روس کی تاریخ میں پہلی دفعہ انتخابات ہوئے۔ اس کے نتیجے میں کئی ایسے افراد منتخب ہو گئے جو کمیونسٹ پارٹی سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اس طرح روس کی نئی قیادت نے اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ مسائل کا جو حل روسی اکابرین نے پیش کیا تھا وہ نہ صرف ناقابلِ عمل بلکہ غیر فطری ہے۔ لوگوں کو انسان سمجھتے ہوئے ان کی معاشی ضروریات سے ہٹ کر بھی سوچنا ہوگا۔

روس کی نئی پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس کی کارروائی، قومی ٹیلیویژن پر براہِ راست دکھائی گئی۔ اس اجلاس میں گورباچوف کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ گورباچوف کی بحیثیت صدر نامزدگی پر دو گھنٹے تک بحث ہوتی رہی۔ اسٹونیا کی ایک خاتون ممبر نے آرمینیا اور جارجیا میں مظاہرین کے خلاف طاقت کے استعمال پر سوال اٹھایا "کیا اپنے ہی لوگوں کے خلاف فوج کا استعمال درست اقدام ہے؟" اسی طرح ایک ممبر نے ایک ٹیلیگرام پڑھ کر سنائی جس میں کہا گیا کہ "گورباچوف خوشامد اور اپنی بیوی کے اثر سے نکل نہیں سکتے"۔ کیا کچھ عرصہ پہلے تک روس کی پارلیمنٹ میں اس طرح کی کسی گفتگو کا امکان تھا؟ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو خود گورباچوف نے چین میں ایک پریس کانفرنس کے دوران دیا "میں اس بات کا قائل ہوں کہ ہم دنیائے سوشلزم میں تبدیلی کے ایک انتہائی اہم مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ تمام اشتراکی ممالک جمہوریت، آزادیٔ رائے، انفرادی حقوق کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ یہ اقدام اگرچہ ناخوشگوار ہیں مگر ضروری ہیں

چین بھی تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اسی حکمتِ عملی کو اختیار کئے ہوئے تھا جو کچھ عرصہ پہلے روس کی تھی لیکن اب اسے بھی حالات اس دہانے پر لے آئے ہیں کہ اسے اپنے استحکام کے لئے کوئی انقلابی فیصلہ کرنا ہوگا۔

۱۵ اپریل ۱۹۸۹ء کو ہو یاؤ بینگ کے انتقال کے بعد چینی طلباء کے مظاہروں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ انتہائی پرتشدد مرحلے سے گزر رہا ہے جس میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے اور تادمِ تحریر، چینی فوج بھی دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ۱۹۴۹ء کے انقلاب کے بعد ایسی پرتشدد کاروائی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

چینی نظام کی خامیاں بہت عرصے سے سامنے آ رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں اختلاف ہوتا رہا ہے اور یہ اختلاف کئی مراحل پر اقتدار کی جنگ بھی قرار دیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں ماؤزے تنگ نے خود غرضی، رجعت پسندی اور مغربیت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور ڈینگ ژیاؤ پنگ اس کا شکار ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں ماؤ کا انتقال ہوا اور قیادت ڈینگ کے ہاتھ آئی۔ ہو یاؤ بینگ اور ژاؤ ژیانگ ان کے دو چہیتے اتحادی ٹھہرے۔ بعد میں ہو یاؤ بینگ نے حکومتی پالیسیوں پر آزادانہ تنقید شروع کر دی۔ انھیں جنوری ۱۹۸۷ء میں ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ وہ اس وقت کمیونسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل تھے۔ ۱۵ اپریل ۱۹۸۹ء کو ان کا انتقال ہوا اور چونکہ وہ جمہوریت کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے اس لئے طلبہ کے نزدیک ایک پسندیدہ شخصیت تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا اور ابھی تک جاری ہے۔ طلبہ کے ان مظاہروں کے نتیجے میں پھر اختلاف پیدا ہوا۔ ڈینگ جو چین کے قائد ہیں وہ اس جمہوری روش کے شدید مخالف ہیں اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ ژاؤ ژیانگ طلبہ کے حق میں ہیں۔

چینی طلباء کے مظاہروں کو پیپلز ڈیلی نے اپنے ۲۶ اپریل ۸۹ء کے اداریے میں "لاقانونیت پھیلانے کی ایک منظم سازش" قرار دیا تو طلباء اس پر بہت مشتعل ہوئے۔ ان کے خیال میں اس کے ذمہ دار ڈینگ تھے۔ ژاؤ نے ہڑتالی طلباء کی طرف ایک پیغام بھیجا جس میں انھیں ہڑتال ختم کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس پیغام میں بدعنوانی کے خلاف اور جمہوریت کے حق میں

ان کی جدوجہد کو درست قرار دیا گیا۔ یہ پیغام مبصرین کے خیال میں ۲۶ اپریل کے اداریے کا جواب تھا۔ ژاؤ طلبا کے خلاف طاقت کے استعمال کے مخالف تھے اس لئے انھوں نے ۲۰ مئی کی اس پارٹی میٹنگ میں بھی شرکت نہیں کی جس میں مارشل لا کے نفاذ کا فیصلہ کیا گیا۔

ڈینگ کے خلاف طلبا کی تحریک میں شدت پیدا ہوتی گئی اور انھیں قیادت سے ہٹانے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ چنانچہ بیجنگ میں اس طرح کے بینر آویزاں کئے گئے "ڈینگ اب تمہارا ذہن ماؤف ہو چکا ہے، اقتدار چھوڑ دو اور جا کر برج کھیلو"۔ چین کی معاشی پالیسیوں کے پس منظر میں ایک دفعہ ڈینگ نے کہا "جب تک بلی چوہے پکڑتی ہے، اس سے بحث نہیں ہونی چاہئے کہ اس کا رنگ کالا ہے یا سفید"۔ اسی حوالے سے ایک اور بینر پر لکھا ہے "ایک اچھی بلی جانتی ہے اسے کب ریٹائر ہونا ہے"۔

آمادہ پیکار ہونے کے باوجود چینی قیادت اس نفرت کا اندازہ نہیں کر سکی جو چینی عوام اس نظام کے خلاف رکھتے ہیں۔ ڈینگ چونکہ اس پرانی سوچ کا دفاع کرتے ہیں اس لئے وہ بھی قابل نفرت ٹھہرے ہیں۔ ڈینگ یہ نوشتہ دیوار نہیں پڑھ سکے اور انھوں نے اشتراکی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اس تحریک کو سختی سے کچلنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد کا خون بہایا گیا اور اب فوج بھی دو حصوں میں تقسیم ہو کر باہم دست و گریبان ہے۔

ان واقعات کا نتیجہ جو بھی ہو لیکن یہ طے ہے کہ چین کا کمیونسٹ نظام بالکل ناکام ہو چکا ہے اور اب اس کی بقا کا کوئی امکان باقی نہیں۔ اب اگر اس کے نظام تنفس کو مصنوعی طریقے سے بحال کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

چین سے چونکہ ہمارا ایک دیرینہ تعلق ہے اس لئے یہ خونریزی ہمارے لئے باعث تشویش ہے۔ ہم چینی قیادت کو ہمارا مشورہ ہے کہ گورباچوف کی طرح حالات کی نبض کو پہچانیں اور فطرت کے ساتھ مزید جنگ کا سلسلہ روک دیں۔ انھیں چاہئے کہ وہ اس نظام کی طرف پیش قدمی کریں جو عقل و فطرت کے مسلمہ اصولوں پر قائم ہے اور جس کی طرف انھیں ایک دن بہرحال لوٹنا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ انسانی فطرت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا قانون بناتا اور اپنا نظام ترتیب دیتا ہے۔ دنیا کے تمام نظام جو انسانی عقل کی بنیادوں پر کھڑے ہیں، چاہے وہ اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری نظام، آمریت ہو یا جمہوریت، ان سب کو آخر اسلام ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ وقت کا تعین تو حالات اور واقعات کریں گے لیکن ایسا ہو کر رہے گا، تاریخ کا تسلسل یہی گواہی دیتا ہے۔ ••

(بشکریہ ماہنامہ "اشراق" لاہور - جولائی ۱۹۸۹ء)

ملک وسیم احمد بستوی
(متعلم جامعۃ الفلاح)

اخبارِ عالم

رومانی میں قرآن کا ترجمہ

سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک پادری نے رومانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا لیکن یہ معلوم ہوا ہے کہ اس ترجمہ میں بہت سی غلطیاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ناقابل اعتبار ہے، چنانچہ رومانیہ ہی کے ایک عالم شیخ یعقوب محمد مقتی نے اس بات کا عزم ظاہر کیا ہے کہ وہ اس ترجمہ کی تصحیح کریں گے اور ایک اچھا ترجمہ جو قرآن کے الفاظ سے زیادہ قریب ہو اسے چھاپیں گے۔ اس سلسلہ میں شیخ ازہر نے ان کی رہنمائی اور مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

شیخ یعقوب کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ رومانیہ میں دینی تعلیم کے فروغ کے لیے ایک مدرسہ چلا رہے ہیں جس میں اسلامی خطوط پر بچوں کی تربیت کا معقول نظم ہے۔ اس وقت رومانیہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین ہے۔

(اخبار العالم الاسلامی)

یونانی میں قرآن کا ترجمہ

دو یونانی دانشور ڈاکٹر علی نور اور سید الکسیلو کی مساعی سے یونانی زبان میں قرآن کے ترجمہ کا کام مکمل ہو گیا ہے اور اب اسے غور و فکر اور جانچ کیلئے جامعہ ازہر کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی وہ اشاعت کے مرحلے سے گذر کر منظر عام پر آ جائیگا۔

(اخبار العالم الاسلامی)

قرآن کا پہلا پشتو ترجمہ

پشاور۔ تیرہ سال کی تحقیق کے بعد محققین نے ایک ۲۲۸ سالہ قلمی نسخہ کی صحت کی تصدیق کر دی ہے۔

جسے پشتو زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔ محققین کی جماعت کے سربراہ مولانا احسان اللہ دانش نے کہا کہ اسے پشاور پشتو اکادمی پاکستان کے شمال مشرقی سرحدی صوبہ کی حکومت کے خرچ پر عنقریب شائع کر دے گی۔ مولانا دانش صوبائی محکمۂ اطلاعات کے معاون ناظم بھی ہیں۔ پشتو فارسی کی ایک کھڑی بولی ہے اور یہ ان پٹھانوں کی زبان ہے جن کی غالب اکثریت افغانستان و مغربی پاکستان میں آباد ہے۔ یہ لوگ "پختون" بھی کہلاتے ہیں۔ مولانا دانش نے بتایا کہ پشتو میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ ۱۷۶۱ء میں ایک جید عالم دین مولانا رکن الدین نے کیا تھا۔ وہ برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ نسخہ جس کی تحقیق میں انھوں نے کئی سال صرف کیے، سالہا سال پشتو اکادمی کے آرکائیوز میں پڑا رہا لیکن ابھی حال ہی میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ یہ نسخہ مولانا رکن الدینؒ کے قلم سے ہے (اے پی)۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی)

اسکندریہ کی لائبریری کی تعمیر نو قاہرہ مصر میں ناروے کے سفارت خانے نے اعلان کیا ہے کہ ناروے حکومت اسکندریہ کی قدیم لائبریری کی تعمیر نو کے لئے پانچ لاکھ ڈالر خرچ کرے گی۔ یہ لائبریری دو ہزار سال قبل آتش زنی کے باعث تباہ ہو گئی تھی۔ ناروے کی کمپنی اسنوہیٹا اس کام کو مکمل کرے گی۔ کمپنی نے ۱۸۰ ملین ڈالر سے لائبریری کی تعمیر کا منصوبہ بنایا ہے، یہ دنیا کے عظیم ترین اور قدیم کتب خانوں میں سے ایک ہے۔

اس کمپنی نے ستمبر میں اقوام متحدہ کے ذریعہ منعقدہ ایک مقابلے میں پہلا انعام حاصل کیا تھا جس میں ۷۷ ممالک کی ایک ہزار کمپنیوں نے حصہ لیا تھا۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی)

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

توسیعی لکچر توسیعی لکچر کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا درسیات سے ہٹ کر طلبہ کی معلومات میں وسعت پیدا کرنے اور ان کے اندر تحقیق کا شوق پیدا کرنے کے لئے جامعہ وقتاً فوقتاً اس کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ اس سے پہلے بھی مختلف موضوعات پر بعض محققین نے یہاں لکچر دیا۔ جناب ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہماری خواہش پر جامعہ تشریف لائے دو روز قیام فرمایا اور تاریخ اسلامی پر فکری یورش، عہد بنی امیہ، کے عنوان پر ایک جاندار اور پر مغز مقالہ پیش کیا۔ جسے طلبہ نے بڑے ذوق و شوق سے سنا، پھر سوالات کئے اور ڈاکٹر صاحب نے ان کے جواب دیئے۔ موصوف اس سے پہلے بھی جامعہ میں ایک لکچر دے چکے ہیں۔ اس سفر میں برادر سمیع اختر صاحب فلاحی ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے۔ مولانا عبداللہ کوثری بھی دار المصنفین سے تشریف لے آئے تھے۔

ہم ڈاکٹر صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت جامعہ کے لئے فارغ کیا سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور جامعہ کے خستہ مہمان خانہ میں رہنا پسند کیا اور طلبہ کے اندر تحقیق کی ایک جوت جگا گئے۔ آئندہ بھی ہم امید رکھتے ہیں کہ موصوف جامعہ آنا اور اپنی تحقیقات سے استفادہ کا موقع فراہم کرنا پسند کریں گے جس کا انھوں نے وعدہ بھی کیا ہے

جناب حاجی غلام نبی مستری صاحب :-

جامعہ کے ایک مخلص و خیرخواہ جناب حاجی غلام نبی مستری صاحب ہیں۔ آبائی وطن سیکر، راجستھان ہے اور بھیونڈی میں رہائش و کاروبار ہے۔ تحریکی ذہن رکھتے اور تحریکی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ جامعۃ الفلاح ایک تحریکی ادارہ ہے یہاں تعلیم کا کوئی محدود تصور نہیں ہے۔ یہاں ایک طرف قرآن و حدیث میں گہرائی و گیرائی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو دوسری طرف عصری علوم سے غفلت نہیں برتتے جامعہ کی یہی کششش ہے جو اس کے چاہنے والوں کو کبھی کبھی یہاں کھینچ لاتی ہے اور یہی کشش گزشتہ دنوں جناب حاجی غلام نبی مستری صاحب اور ان کے بڑے صاحبزادے اور ایک دوسرے عزیز کو جامعہ لے آئی۔ انھوں نے جامعہ کو خود سے دیکھا اور ذمہ داران جامعہ، اساتذہ و طلبہ سے مل کر دلی خوشی کا اظہار کیا۔ اس معزز وفد سے مل کر جامعہ کے ذمہ داران، اساتذہ و طلبہ کو بھی بے انتہا خوشی ہوئی۔ موصوف کے اعزاز میں جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے ایک خصوصی پروگرام رکھا گیا اس سے پہلے جامعہ کا وفد بھیونڈی گیا تھا جسے حاجی صاحب موصوف کے تعاون سے بڑا حوصلہ ملا تھا۔

انعامی مقابلہ منجانب انجمن

:- طلبہ کے اندر تحریری صلاحیت پیدا کرنے اور ان کے شوق مطالعہ کو بڑھانے کے لئے انجمن طلبہ قدیم نے ایک انعامی مقابلہ کا اعلان کیا ہے پہلے سے چند عنوانات دیئے گئے ہیں تاکہ طلبہ ان پر تیاری کریں لائبریری کھنگالیں اور کتابیں الٹیں پلٹیں۔ پھر معین وقت پر کسی ایک موضوع کا اعلان ہوگا اور اس پر انھیں برجستہ اپنا مقالہ لکھنا ہوگا مقالے عربی زبان میں ہوں گے۔

عربی پنجم تا عربی ہفتم کے لئے پندرہ سو الفاظ کی حد اور عربی سوم تا عربی چہارم کے لئے آٹھ سو الفاظ کی حد مقرر کی گئی ہے۔

درج ذیل عنوانات دیئے گئے ہیں برائے عربی پنجم تا عربی ہفتم

الف مشاکل الشباب و کیف تحلها

ب۔ الاسلام والاصلاح الاجتماعی

ج۔ مستقبل الاسلام فی الهند

د۔ اسس الحیاة الطیبة

برائے عربی سوم و چہارم۔

الف۔ المجتمع الاسلامی

ب۔ الاسلام والشباب

ج۔ حسن الاخلاق واهمیته فی الاسلام

د۔ دور الطلبة فی بناء المجتمع

عربی پنجم تا عربی ہفتم کے لئے درج ذیل انعامات ہوں گے۔

اول آنے پر مبلغ ۔/۸۰ روپے، دوم آنے پر ۔/۶۰ روپے، سوم آنے پر ۔/۴۰ روپے تشجیعی انعامات ۔/۲۰ روپے

عربی سوم و چہارم کے لئے درج ذیل انعامات ہوں گے۔

اول آنے پر ۔/۳۰ روپے، دوم آنے پر ۔/۱۵ روپے، سوم آنے پر ۔/۱۰ روپے تشجیعی انعامات ۔/۵۰ روپے

تعزیتی نشست

:- مولانا سلطان ندوی صاحب کی رحلت کو ابھی ہم بھولے نہیں تھے کہ جامعہ کو ایک اور گہرا گھاؤ لگا۔ مولانا افضل حسین صاحب مرحوم جامعہ کی مجلس تعلیمی کے ممتاز رکن، اپنے دوسرے چاہنے والوں کے ساتھ جامعہ کو بھی سوگوار کر گئے۔ جامعہ میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور ایک تعزیتی نشست ہوئی جس میں مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی صدر جامعہ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی، مولانا ایوب صاحب اصلاحی، مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی، مولانا محمد طاہر صاحب عمری،

ماسٹر جلیل محمد صاحب، اور مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے ان کی خدمات کو سراہا۔ انھیں بچوں کا محسن و مربی، مردم شناس، نرم مزاج اور بڑی خوبیوں کا حامل انسان قرار دیا اور ان کے لئے مغفرت اور پسماندگان کے لئے توفیق صبر کی دعا مانگی۔

رفیع الدین فلاحی صاحب کو صدمہ

:- جناب رفیع الدین صاحب فلاحی موضع بھگت پور اعظم گڈھ کے والد محترم جناب قربان علی صاحب ۲۲ر نومبر ۸۹ کو انتقال کر گئے۔ مرحوم تہجد گزار اور ہر ماہ ایام بیض کے روزے کا التزام کرنے والے تھے۔ بڑی سادہ زندگی بسر کی، دنیا کی آسائش سے دور رہے۔ ایک بار برادر رفیع الدین صاحب ان کے لئے کچھ دانتی خرید لائے۔ انھوں نے ناپسندیدگی کا اظہار یوں کیا۔ "کیا قبر میں بھی یہ کچھ دانتی ملے گی" معتمد مسلم بھی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ وہ "میاں جی" سے مشہور تھے۔ اس علاقہ میں میاں جی کا مطلب ہوتا ہے بڑا سیدھا سادہ اللہ والا، لڑائی جھگڑے سے دور۔ واقف کار بتاتے ہیں کہ مرحوم واقعی ایسے تھے۔ اللہ ان کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ جنت میں جگہ دے اور ہمیں اور انکے پسماندگان کو ان کی خوبیوں کو اپنانے والا بنائے

سالانہ امتحان

:- یکم مارچ ۹۰ء سے سالانہ امتحان شروع ہوگا۔ ۱۷ر مارچ ۹۰ء کو آخری پرچہ ہوگا، اساتذہ کرام ۲۱ر مارچ ۹۰ء تک رک کر نتائج تیار کریں گے۔ ۲۲ر مارچ ۹۰ء سے باقاعدہ رمضان کی چھٹی شروع ہوگی اور ۵ر مئی ۹۰ء کو دوبارہ انشاءاللہ جامعہ کھل جائے گی۔